

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن حکیم

مقصد پیغام اور تقاضے

قرآن حکیم

مقصد، پیغام اور تقاضے

پروفیسر خورشید احمد

منشورات

جملہ حقوق محفوظ

قرآن حکیم: مقصد، پیغام اور تقاضے	:	نام کتاب
پروفیسر خورشید احمد	:	مصنف
اکتوبر ۲۰۰۲ء	:	ڈیکلکس ایڈیشن
۱۱۰۰	:	تعداد
نوید احمد	:	سرورق
سید حیدر زیدی	:	کمپوزر
منشورات، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور، پاکستان - ۵۴۵۷۰	:	ناشر
فون : ۵۴۲۵۳۵۶-۰۴۲ فیکس : ۵۴۳۲۱۹۴-۰۴۲	:	
manshurat@hotmail.com	:	ای میل
	:	قیمت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قدرت کا قانون ہے کہ جب تاریکی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، تو روشنی اس کا سینہ چیرتی ہوئی رونما ہو جاتی ہے۔ ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور فضا نور سے بھر جاتی ہے۔ تاریخ انسانی میں روشنی اور نور کا سب سے بڑا سیلاب ۲۷ رمضان المبارک، ۱۳ قبل ہجرت میں رونما ہوا۔

خشکی، تری اور بحر و بر پر تاریکی کا غلبہ تھا، ظہَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم، ۳۰: ۴۱)، ظلم اور فساد سے خدا کی زمین بھر گئی تھی۔ انسان اپنے حقیقی معبود کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کی بندگی کر رہے تھے۔ ارض و سما کے مالک نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے جو ہدایت اور رہنمائی بھیجی تھی، انسان نے اس کو گم کر دیا تھا۔ نتیجہ کے طور پر گمراہی اور ضلالت کا دور دورہ تھا۔ انسان آگ، درخت، پتھر، پانی اور جانوروں تک کی پوجا کر رہے تھے۔ زندگی کے اجتماعی معاملات میں کچھ انسان دوسرے انسانوں کے خدا اور رب بن بیٹھے تھے، اور اپنی من مانی کر رہے تھے۔ نیکیاں معدوم ہو رہی تھیں اور برائیاں پرافشاں تھیں۔ نسل، قوم اور قبیلہ کے بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ حق، انصاف، آزادی، مساوات اور بندگی رب کو انسانیت ترس رہی تھی۔

یہ تھی وہ دنیا، جس میں خدا کے ایک برگزیدہ بندے، انسانیت کے گل سرسبد اور دنیا کے سب سے نیک انسان، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھولیں۔ وہ ظلم کے اس راج اور بدی کے اس غلبے پر حیران و سرگرداں تھا، وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ

(الضحیٰ ۹۳: ۷)۔ وہ جھوٹے خداؤں کا باغی اور ایک حقیقی خدا کی بندگی کا جو یا تھا۔ دست فطرت نے چالیس سال اس کی تربیت فرمائی۔ پھر زمین و آسمان کے مالک نے ایک شب اسے انسانیت کی رہنمائی کے لئے اپنے آخری نبی کی حیثیت سے مامور فرما دیا۔ وہ غار حرا میں عبادت میں مشغول تھا کہ خدا کا فرشتہ اس کا امین اور پیام بر رونما ہوا۔ بندگی میں مشغول بندے کو سینے سے لگایا، اسے خوب بھینچا اور رب السموت والارض کی طرف سے پہلی وحی اس پر نازل کی:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اقْرَأْ
وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ
(العلق، ۹۶: ۱-۵)

پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام سے جس نے (ساری چیزوں) کو پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، اس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اس کو معلوم نہ تھیں۔

تاریکیوں کے لئے پیغام موت آ گیا۔ طاغوت کے غلبے کا دور ختم ہو گیا۔ رب کی آخری ہدایت کا دور شروع ہو گیا۔ یہ سلسلہ ۲۳ سال تک چلتا رہا۔ حتیٰ کہ ہدایت مکمل ہو گئی اور انسانیت کو نور کا وہ خزانہ مل گیا، جس کی روشنی تا قیامت قائم رہے گی جس کے ذریعے وہ ہمیشہ رہنمائی اور ہدایت حاصل کرتی رہے گی۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ
الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ، ۵: ۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا

ہے۔

آج اس نزول وحی کے آغاز اور بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ ساری دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اس واقعے کی یاد تازہ کرتے ہیں، جو ماضی اور حال کی تاریخ کے درمیان حد فاصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس سے انسانیت کی تاریخ میں قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا آغاز ہوا۔

خدا کی اس زمین پر انسان کی بنیادی ضرورتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق اس کی جسمانی اور مادی زندگی سے ہے، اور دوسری وہ جو اس کی روحانی، اخلاقی اور سماجی زندگی سے متعلق ہیں۔ خدا کی ربوبیت کاملہ کا تقاضا تھا کہ انسان کی یہ دونوں ضرورتیں پوری کی جائیں، تاکہ وہ زندگی کی آسائش بھی حاصل کر سکے اور ان کو صحیح مقاصد کے لئے صحیح طریقوں سے استعمال بھی کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان دونوں ضرورتوں کو بہ حسن و کمال پورا کیا ہے۔ مادی اور جسمانی ضروریات کی تسکین کے لئے زمین و آسمان میں بے شمار قوتیں ودیعت کر دی ہیں، جن کی دریافت اور ان کے مناسب استعمال سے انسان کی تمام ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح انسان کی روحانی، اخلاقی اور سماجی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت نازل فرمائی، اور اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اس ہدایت کو انسانوں تک پہنچایا، بلکہ ان کی زندگیوں میں اسے متشکل کر کے بھی دکھا دیا۔ اس طرح انسانیت نے اپنا سفر تاریکی میں نہیں، روشنی میں شروع کیا، اور ہر دور میں خدا کی ہدایت اس کے لئے مشعل راہ بنی رہی۔ اس دنیا میں پہلا انسان آدم علیہ السلام پہلا نبی بھی تھا۔ خدا کی یہ ہدایت اپنی آخری اور مکمل ترین شکل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ یہی ہدایت قرآن کی شکل میں موجود ہے اور قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

قرآن جس تصور کو پیش کرتا ہے، وہ مختصر یہ ہے:

۱۔ یہ دنیا بے خدا نہیں ہے۔ اس کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو اس کا مالک، آقا،

رب اور حاکم ہے۔ ہر شے پر اس کی حکومت ہے اور وہی اس کا حقیقی فرماں روا ہے۔ ساری نعمتیں اسی کا عطیہ ہیں۔ اس کا اختیار کھلی اور ہمہ گیر ہے۔ جس طرح وہ دنیا کی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اسی طرح وہ انسان کا بھی خالق، مالک اور حاکم ہے۔ اس مالک حقیقی نے انسان کو ایک خاص حد تک اختیار اور آزادی دے کر اس زمین پر اپنا نائب اور خلیفہ بنایا ہے اور باقی تمام مخلوقات کو اس کے تابع فرمان کیا ہے۔

۲۔ انسان کو خلافت کی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کے لائق بنانے کے لئے مالک حقیقی نے اسے اپنی ہدایت سے نوازا ہے اور اس کی رہنمائی صراطِ مستقیم کی طرف کی ہے۔ اسے بتایا گیا ہے کہ پورا جہان اس کے لئے ہے اور اس کے تابع ہے لیکن وہ خود خدا کے لئے ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ خدا کی بندگی اختیار کرے اور اپنی پوری زندگی کو رب کی اطاعت میں دے دے۔ اس زندگی کی حیثیت ایک امتحان اور آزمائش کی سی ہے۔ اس میں انسان کے لئے صحیح رویہ یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے کو مالک کی مرضی کے تابع کر دے اور اس کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ لگا دے۔ جس نے اس راستے کو اختیار کیا، وہ کامیاب و کامران ہے اور اس عارضی زندگی کے بعد ابدی راحت اور چین اس کے لئے ہے۔ جس نے اس راہ سے انحراف کیا، وہ ناکام و نامراد ہے اور آنے والی ابدی زندگی میں جہنم اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

۳۔ یہ باتیں انسان کو ازل میں سمجھادی گئیں۔ ان کا شعور اور احساس اس کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا۔ ان کی تذکیر اور بندگی رب کے راستے کی تشریح و توضیح کے لئے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک، اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرتا رہا۔ ایک طرف انسان کو عقل اور سمجھ دی گئی کہ وہ حق کو پہچانے اور اس کے مطابق زندگی کے معاملات کی صورت گری

کرے اور دوسری طرف خدا کے ان برگزیدہ بندوں (انبیاء علیہم السلام) نے بڑی سے بڑی قربانی دے کر انسانیت کو سیدھی راہ پر لگانے کا کام انجام دیا۔ ہر ملک اور قوم میں انبیاء مبعوث ہوئے اور اس سنہری سلسلے کی آخری کڑی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ ساری دنیا کے لئے بھیجے گئے اور سارے زمانوں کے لئے مبعوث ہوئے۔ آپ نے اللہ کا وہی دین، یعنی اسلام لوگوں کے سامنے پیش کیا، جو اس سے پہلے پیش ہوتا رہا تھا۔ جن لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور اسلام کو بحیثیت زندگی کے دین اور راستہ اختیار کر لیا، وہ ایک امت بن گئے۔ اب یہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اپنی زندگی کا نظام اس ہدایت کے مطابق تشکیل دے، جو اللہ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور جس کا نمونہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں پیش فرمایا۔ اور تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت دیتے رہے۔ قرآن وہ کتاب ہے جس میں پوری دعوت موجود ہے، جس میں اللہ کا دین اپنی مکمل اور آخری شکل میں ملتا ہے، جس میں وہ ہدایت ہے جو خالق کائنات نے اتاری ہے اور جو تمام انسانوں کی دائمی خیر و فلاح کی ضامن ہے۔

قرآن اپنی حیثیت اور اپنے مقصد کو اس طرح واضح کرتا ہے:

(الف) ذَلِكِ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (البقرہ ۲: ۲)

یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

(ب) اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی اسرائیل ۱۷: ۹)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔

یہ رہنمائی تمام انسانوں کے لئے ہے:

الْقُرْآنَ هُدًى لِّلنَّاسِ (البقرہ ۲: ۱۸۵)

قرآن انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔

(ج) یہ ہدایت کا ایسا مرقع ہے جس میں ازل سے نازل ہونے والی ہدایت جمع کر دی گئی ہے اور یہ پورے خیر کا مجموعہ ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ
وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ (المائدہ ۵: ۲۸)

پھر اے نبی! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔

(د) یہ ہدایت ہر لحاظ سے محفوظ بھی ہے اور تا قیامت محفوظ رہے گی:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر ۱۵: ۹)

بلاشبہ ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور ہم خود ہی اس کو محفوظ رکھنے والے ہیں۔

انسانیت کے دکھوں کا واحد علاج یہی ہدایت ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْوِينُ مَوْعِظَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاء لِّمَا فِي
الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ (يونس ۱۰: ۵۷)

لوگو! تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس ایک نصیحت آ گئی ہے۔ یہ دل کے تمام امراض کے لئے شفا ہے۔ اور ہدایت اور رحمت ہے ان تمام لوگوں کے لئے جو اسے مانیں۔

(ر) اور یہی ہدایت ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی اور

حق کا حقیقی معیار ہے۔ اس لئے اس کو مہیمن (نگہبان) کہا گیا ہے اور اسی لئے اس کا نام فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی) رکھا گیا ہے۔

قرآن کی اس نوعیت کی وضاحت کو سمجھ لینے کے بعد اس کی حقیقت اور اس کے مقصد کی وضاحت آسان ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم مختصر آیوں بیان کر سکتے ہیں:

☆ قرآن کا موضوع انسان ہے کہ انسان کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز میں ہے۔

☆ قرآن کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ ظاہر بنی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے باعث انسان نے خدا، نظام کائنات، اپنی ہستی اور اپنی دنیاوی زندگی کے متعلق جو نظریات قائم کئے ہیں، اور ان نظریات کی بناء پر جو رویے اختیار کر لئے ہیں، وہ سب حقیقت کے لحاظ سے غلط اور نتیجے کے اعتبار سے خود انسان ہی کے لئے تباہ کن ہیں۔ حقیقت وہ ہے جو انسان کو خلیفہ بناتے وقت خدا نے خود بتا دی تھی۔ اس حقیقت کے لحاظ سے وہی رویہ درست اور خوش انجام ہے، جس میں خدا کو اپنا واحد حاکم اور معبود تسلیم کر کے اس دنیا میں اس کی ہدایت کے مطابق اپنی پوری زندگی کو گزارا جائے۔

☆ قرآن کا مدعا انسان کو اس صحیح رویے کی طرف دعوت دینا ہے اور اللہ کی اس ہدایت کو واضح طور پر پیش کرنا ہے، جسے انسان اپنی عظمت سے گم اور شرارت سے مسخ کرتا رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو، تفہیم القرآن، جلد اول، مقدمہ از سید ابوالاعلیٰ مودودی)

اس بات کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس طرح بیان فرمایا ہے، کہ قرآن مجید کے نزول کا اصل مقصد انسانوں کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور گم کردہ راہ اعمال کی اصلاح اور درستگی ہے۔ (الفوز الکبیر)

قرآن تمام انسانوں کو ابدی سعادت کی طرف بلاتا ہے، اور انسان کے ظاہر و باطن کی ایسی تعمیر کرتا ہے، کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو۔ دنیا اور آخرت کی زندگیوں میں حقیقی چین اور راحت نصیب ہو۔ یہ راستہ رب کی بندگی کا راستہ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریت، ۵۱: ۵۶)

میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، کہ وہ

میری بندگی کریں۔

یہ بندگی انسان کی پوری زندگی پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا ہر سانس احساسِ عبدیت سے معمور ہونا چاہئے اور اس کا ہر عمل مالک کی اطاعت کا مظہر ہونا چاہئے۔



یہی وہ مقام ہے جہاں سے قرآن کا انقلابی تصور حیات ہمارے سامنے آتا ہے۔

قرآن انسانی زندگی کو مختلف گوشوں اور شعبوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ وہ پوری زندگی کو بندگی رب میں لانا چاہتا ہے۔ انسان کے فکر و خیال اور عقیدہ و رجحان سے لے کر اس کی اجتماعی زندگی کے ہر پہلو پر اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مطالبہ خود مسلمانوں سے یہ ہے کہ:

أَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ ۲: ۲۰۸)

داخل ہو جاؤ خدا کے دین میں پورے کے پورے۔

یعنی اسلام کے راستے کو اختیار کرنے کے بعد زندگی کے کسی شعبے کو خدا کی ہدایت سے آزاد رکھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پھر انسان کی انفرادی زندگی اور اس کی اجتماعی زندگی، خدا کے قانون کی پابند اور اس کی رضا کو تلاش کرنے والی ہوگی۔ پھر تمدن کے پورے نظام یعنی معاشرت، سیاست، معیشت، قانون و عدالت، انتظام و انصرام، ملکی اور بین الاقوامی تعلقات، سب پر خدا کی حکمرانی قائم ہونی چاہئے۔ صرف اپنے اوپر ہی اس قانون کو جاری و ساری نہیں کرنا، بلکہ پوری انسانیت کو اپنے قول اور عمل سے اس راستہ کی طرف دعوت دینی ہے۔ انسانیت کو حق کی طرف بلانا ہے، اور ہر اس رکاوٹ کو ہٹانے کی جدوجہد کرنی ہے جو بندے اور اس کے رب کے درمیان اس تعلق کے قیام کی راہ میں مزاحم ہے۔ اسی کا نام دعوتِ حق ہے جو اسلام میں جہاد ہی کا ایک شعبہ ہے۔ یہی وہ دعوت ہے جس کی طرف یہ کتاب بلاتی ہے۔

قرآن کی تعلیمات اس نقطہ نظر کی حمایت نہیں کرتیں؛ جس میں انسان کی اصل دلچسپی صرف اور صرف اپنی ذات کی اصلاح اور اپنی روح کے لئے قرب الہی کا حصول ہے۔ بلاشبہ قرآن انسان کے ظاہر و باطن کی اصلاح چاہتا ہے اور بندے کے تعلق باللہ کو مستحکم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ یہ کام اسے زندگی کی کشمکش سے کاٹ کر کرنے کی دعوت نہیں دیتا؛ بلکہ دنیاوی زندگی کے ان ہزاروں لاکھوں تعلقات کو خدا کی ہدایت کا پابند بنا کر یہ مرحلہ طے کرانا چاہتا ہے۔

علامہ اقبالؒ قرآن کے اس مخصوص مزاج کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) بر فلک الافلاک رفت و باز آمد

واللہ اگر من رفتے ہرگز باز نیا مدے

(محمد عربیؐ معراج کے موقع پر آسمانوں پر گئے اور واپس آ گئے۔ اللہ کی قسم اگر میں جاتا تو ہرگز واپس نہ آتا)

یہ مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے الفاظ ہیں؛ جس کی نظیر تصوف کے سارے ذخیرہ ادب میں مشکل ہی سے ملے گی۔ شیخ موصوف کے اس ایک جملے سے ہم اس فرق کا ادراک نہایت خوبی سے کر لیتے ہیں؛ جو شعور ولایت اور شعور نبوت میں پایا جاتا ہے۔ صوفی نہیں چاہتا کہ واردات اتحاد میں اسے جو لذت اور سکون حاصل ہوتا ہے؛ اسے چھوڑ کر واپس آئے؛ لیکن اگر آئے بھی؛ جیسا کہ اس کا آنا ضروری ہے تو اس سے نوع انسانی کے لئے کوئی خاص نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس؛ نبی کی باز آمد تخلیقی ہوتی ہے۔ وہ ان واردات سے واپس آتا ہے؛ تو اس لئے کہ زمانے کی رو میں داخل ہو جائے۔ اور پھر ان قوتوں کے غلبہ و تصرف سے؛ جو عالم تاریخ کی صورت گر ہیں؛ مقاصد کی ایک نئی دنیا پیدا کرے۔ صوفی کے لئے تولذت اتحاد ہی آخری چیز ہے؛ لیکن انبیاء علیہم السلام کے لئے اس کا مطلب ہے؛ ان کی اپنی ذات کے اندر کچھ اس قسم کی نفسیاتی قوتوں کی بیداری؛ جو دنیا کو زیر و زبر کر سکتی ہیں؛ اور جن سے کام لیا جائے تو جہان انسانی دگرگوں ہو جاتا ہے۔

لہذا انبیاء کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان واردات کو زندہ اور عالم گیر قوت میں بدل دیں۔ لہذا انبیاء کے مذہبی مشاہدات اور واردات کی قدر و قیمت کا فیصلہ ہم یہ دیکھ کر بھی کر سکتے ہیں کہ ان کے زیر اثر کس قسم کے انسان پیدا ہوئے۔

(تشکیل جدید الہیات اسلامیہ 'علامہ محمد اقبال' ترجمہ سید نذیر نیازی، بزم اقبال، لاہور، ص ۱۸۸-۱۹۰)

مطلب یہ کہ بزرگ صوفی کا یہ قول زندگی کے محدود تصور کا غماز ہے۔ اس تصور میں اصل اہمیت عرفان ذات کی ہے اور وہ اس سے اونچے کسی مقام کا تصور نہیں کر سکتی ہے کہ بندے کے قدم وہاں پہنچ جائیں، جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ پھر اس کے اس دنیا کی طرف واپس آنے کا کیا سوال؟ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کے علمبردار ہیں، وہ دین ہے جس کا نبی اس بلندی پر پہنچ کر پھر اس دنیائے رنگ و بو میں لوٹتا ہے، تاریخ کے منجد ہار میں قدم رکھتا ہے، اور اس نور سے جو اسے حاصل ہوا ہے، تنگ و تاریک دنیا کو منور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

وہ صرف اپنے اس سینے کو گنجینہ انوار نہیں بناتا، بلکہ پورے عالم کو روشن کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ ایک نیا انسان بنانے، ایک نیا معاشرہ تعمیر کرنے، ایک نئی ریاست قائم کرنے اور تاریخ کو ایک نئے دور سے ہم کنار کرنے میں مصروف جہاد ہو جاتا ہے۔

قرآن اسی دعوت انقلاب کو پیش کرتا ہے۔ وہ زمانے کے چلن کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک نیا نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد ایک انقلاب برپا کرنا ہے۔ دلوں کی دنیا میں بھی انقلاب..... اور انسانی معاشرے میں بھی انقلاب..... وہ صالح انقلاب جس کے نتیجے میں خدا سے بغاوت ختم ہو اور اس کی بندگی کا دور دورہ ہو۔ برائیاں سرنگوں ہو جائیں اور نیکیوں کو غلبہ حاصل ہو۔ خدا کے منکر اور اس سے غافل، قیادت کی مسند سے ہٹا دیئے جائیں اور اس کے مطیع اور فرماں بردار بندے زمانے کی باگ دوڑ سنبھال لیں۔

یہ ہے نزول قرآن کا مقصد اور یہی ہے انسانیت کی نجات کا راستہ۔



ہم امت مسلمہ کو جس بات کی دعوت دیتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اس امت کا ہر فرد اس موقع پر اور بھی زیادہ سنجیدگی کے ساتھ قرآن کی اصل حقیقت کو سمجھے۔ اس کے مقصد کا حقیقی شعور پیدا کرے۔ اس کے پیغام پر کان دھرے اور اس کے مشن کو پورا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جائے۔

قرآن نے انسانیت کو ایک نیا راستہ دکھایا ہے۔ اس نے قبیلے، نسل، رنگ، خاک و خون اور جغرافیائی تشخص کے بتوں کو پاش پاش کیا ہے اس نے یہ اعلان کیا ہے کہ پوری انسانیت ایک گروہ ہے اور اس میں جمع تفریق اور نظام اجتماعی کی تشکیل کے لئے صرف ایک ہی اصول صحیح ہے، یعنی عقیدہ اور مسلک۔ اسی اصول کے ذریعے اس نے ایک نئی امت بنائی اور اس امت کو انسانیت کی اصلاح اور تشکیل نو کے عظیم کام پر مامور کر دیا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (ال عمران ۳: ۱۱۰)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

قرآن نے اس امت کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی بھی صورت گری کی ہے اور اسے باقی انسانیت کے لئے خیر و صلاح کا علمبردار بنایا ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے چھٹی صدی عیسوی کی ظلم اور تاریکی سے بھری ہوئی دنیا کو تاریخ کے ایک نئے دور سے روشناس کرایا۔ جس نے عرب کے اونٹ چرانے والوں کو انسانیت کا حدی خواں بنا دیا۔ جس نے ریگستان کے بدوؤں کو تہذیب و تمدن کا معمار بنا دیا۔ جس نے مفلسوں اور فاقہ کشوں میں سے وہ لوگ اٹھائے جو انسانیت کے رہبر بنے۔ جس نے وہ نظام قائم کیا، جس

نے طاغوت کی ہر قوت سے ٹکر لی اور اسے مغلوب کر ڈالا۔

قرآن طاقت کا ایک خزانہ ہے۔ اس نے جس طرح آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانوں کی اصلیت بدل کر رکھ دی تھی اور ان کے ہاتھ سے ایک نئی دنیا تعمیر کرائی تھی، اسی طرح آج بھی فساد سے بھری ہوئی دنیا کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ اپنے ماننے والوں کو بشرطیکہ وہ اس کا حق ادا کر سکیں، انسانیت کا رہنما اور تاریخ کا معمار بنا سکتا ہے۔

خوب کہا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے:

لا یصلح اخر هذه الامه الا بما صلح اولها

اس امت کے بعد کے حصے کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی، جس سے اس کے اول حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔ اور یہ چیز قرآن ہے۔



سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن نے پہلے بنجر اور شورزین سے ایک نیا جہاں پیدا کر دیا تھا، تو آج وہ یہ کارنامہ کیوں سرانجام نہیں دے رہا؟

اگر وہ کل شفا و رحمت تھا، تو وہ آج یہ وظیفہ سرانجام دیتا ہوا کیوں نظر نہیں آتا؟ اگر ہم کل اس کی وجہ سے طاقت ور تھے، تو آج اس کے باوجود ہم کمزور کیوں ہیں؟

اگر کل اس کے ذریعے ہم دنیا پر غالب تھے، تو آج اس کے ہوتے ہوئے ہم مغلوب کیوں ہیں؟

اگر غور کیا جائے تو اس کی دو ہی وجوہ ہو سکتی ہیں۔۔۔ ایک، یہ کہ ہم نے عملاً اس کتاب ہدایت کو اپنا حقیقی رہنما باقی نہ رکھا ہو۔ اس سے ہمارا تعلق، غفلت و سرد مہری و بے التفاتی اور بے توجہی کا ہو گیا ہو۔ دوسرے، یہ کہ ہم بظاہر تو اس کا احترام اور تقدیس کر رہے ہوں لیکن اس کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے لئے صحیح راستہ اور صحیح طریقہ اختیار نہ کر رہے ہوں۔ بد قسمتی سے ہمارے معاملے میں یہ دونوں ہی باتیں صحیح ہیں۔

برف کی طرح پگھلتی اور ہر آن قطرہ قطرہ ختم ہوتی، اس زندگی میں یہ بڑا ہی سنہری موقع ہے کہ ہم لمحہ بھر رک کر سوچیں کہ خدا کی اس کتاب سے ہمارا تعلق کیا ہونا چاہئے؟ اور ہمیں اس سے کیا معاملہ کرنا چاہئے تاکہ یہ اپنے اثرات دکھاسکے اور اس کی روشنی دنیا کے گوشے گوشے کو نور سے بھر دے۔

(۱) اس سلسلے میں سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ اپنے سوئے ہوئے ایمان کو بیدار کیا جائے جو قرآن پر لایا تو ضرور گیا ہے، مگر اس کا یقین اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جذبے اور شوق سے عاری ہے۔ یاد رکھیے کہ یہ ایمان اس کے خدا کی کتاب ہونے پر اس کے مکمل طور پر محفوظ ہونے پر اس کے ہر لفظ کے حق و صداقت ہونے پر اس کے بتائے ہوئے طریقے کے درست اور مفید ہونے پر اس کے بتائے ہوئے علاج کے اصل ضامن شفاء ہونے پر ہے۔۔۔۔۔ یہ ہے نقطہ آغاز:

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلُوا
مُدْبِرِينَ وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمَىٰ عَنْ ضَلَّتِيهِمْ ۗ إِنَّ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ
يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ (النحل ۲۷: ۸۰-۸۱)

بے شک تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی دعوت سنا سکتے ہو۔ جب وہ اعتراض کرتے ہوئے منہ پھیر لیں، اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال سکتے ہو۔ تم تو صرف انہی کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔

وَمَنْ يُكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ (البقرہ ۲: ۱۲۱)

اور جو لوگ اس کا انکار کریں گے، وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

(۲) پھر یہ بھی ضروری ہے کہ دل قرآن حکیم کی عظمت اور بلندی، اس کے ایک اعلیٰ اور برتر کلام ہونے کے احساس سے معمور ہو۔ یہ وہ کلام ہے جو اگر پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ شق ہو جاتے۔ اس پر عظمت کلام کے مقابلے میں اپنی عاجزی کا احساس اور دل کا اس

کے لئے موم ہو جانا بہت ضروری ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ
مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ (المائدہ ۵: ۸۳)

جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے، تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے
اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں۔
یہ معرفت حق کا لازمی نتیجہ ہے۔

(۳) قرآن سے رہنمائی اور رہبری کے لئے رجوع کرنا، اس کے بارے میں غفلت
کی روش کو ترک کر کے اسے سمجھنے کی کوشش کرنا۔ یہ دیکھنا کہ کس طرح وہ ہماری زندگی کا
نقشہ بدلنا چاہتا ہے۔ اس کتاب کو مضبوطی سے تھامنا اور ہر معاملے میں اس سے ہدایت
حاصل کرنا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے اس کتاب کے اصل اسرار و رموز ہم پر منکشف ہو
سکیں گے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالذِّمَىٰ أَوْحَىٰ إِلَيْكَ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۖ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ (الزخرف ۴۳: ۴۳-۴۴)

اے پیغمبر جو کچھ تمہاری طرف وحی کیا گیا ہے، اس کو خوب مضبوط پکڑے رہو۔
یقین رکھو کہ تم سیدھے رستے پر ہو اور یہ (قرآن) تمہارے لئے اور تمہاری قوم
کے لئے یقیناً ایک نصیحت نامہ ہے اور آگے چل کر تم سب سے اس کی بابت باز
پرس ہوگی۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا ہے:
جو شخص دین کو جاننا چاہتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن ہی کو اپنا
مونس و ہمد بنائے۔ شب و روز قرآن ہی سے تعلق رکھے۔ یہ ربط و تعلق علمی اور
عملی دونوں طریقوں سے ہونا چاہئے۔ ایک ہی پر اکتفا نہ کرے۔ جو شخص یہ
کرے گا وہی شخص گوہر مقصود پائے گا۔ (الموافقات، ج ۳، ص ۳۲۶)

(۴) قرآن کا مطالعہ کیا جائے اور اس طرح کیا جائے جو اس کا حق ہے:

الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ (البقرہ ۲: ۱۲۱)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔

اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ قرآن کی تلاوت کے ظاہری آداب پورے کئے جائیں۔ یعنی اسے پاک حالت میں چھوا جائے، ادب سے مطالعہ کیا جائے، ترتیل سے پڑھا جائے اور خوش الحانی سے پڑھا جائے وغیرہ۔ اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کے معنی کو سمجھا جائے اور ان پر غور و فکر کیا جائے۔ قرآن کے الفاظ پر سے یوں ہی نہ گزر جایا جائے، بلکہ اس کی گہرائیوں میں اترنے اور اس کے مفہوم کو سمجھنے کی پوری کوشش کی جائے۔ یہی قرآن کا مطالبہ ہے:

كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (یونس، ۱۰: ۲۴)

غور کرنے والوں کے لئے ہم نے اس طرح آیات تفصیل سے بیان کی ہیں۔

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ط أَفَلَا تَعْقِلُونَ (الانبیاء، ۲۱: ۱۰)

لوگو، ہم نے تمہاری طرف کتاب اتا رہی ہے، جس میں تمہارا ذکر ہے، کیا تم غور نہیں کرتے۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبْرَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ

(ص، ۳۸: ۲۹)

اے پیغمبر، یہ قرآن برکت والی کتاب ہے، جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے،

تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں۔ جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں، وہ اس سے

نصیحت پکڑیں۔

یہی صحابہ کرام کا طریقہ تھا، کہ وہ قرآن پاک کی آیات کو سمجھ سمجھ کر پڑھتے تھے

اور ان پر غور و فکر کرتے تھے۔

(۵) قرآن پر عمل کیا جائے اور اس کے مطابق اپنے فکر و عمل کو بدلا جائے۔ قرآن پر اس سے بڑا ظلم اور کوئی ہو نہیں سکتا، کہ قرآن کے احکام کے مطابق اپنے کو بدلنے کے بجائے اپنی بد اعمالیوں کے لئے جواز پیش کرنے کے لئے قرآن کو (نعوذ باللہ) بدلنے کی کوشش کی جائے۔ اس طرح یہ بھی قرآن کے حقوق کے منافی ہے کہ اس کے احکام کو تو پڑھا جائے، مگر دوسری جانب ان پر عمل نہ کیا جائے۔ قرآن نازل ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے نقشے کو تعمیر کیا جائے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ قرآن کے مطابق عمل کی سعی کی جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ”جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا تھا، تو اس سے زیادہ نہ پڑھتا تھا، جب تک ان کے معنی نہ سمجھ لیتا اور ان پر عمل نہ کرتا۔“ (ابن کثیر، جلد اول، ص ۵)

(۶) پھر قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کے سلسلے میں رہنما اور نمونہ اس مبارک ہستی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا، جس پر یہ کتاب نازل ہوئی:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۳: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے سرمو انحراف بھی قرآن سے دور لے جانے والی چیز ہے۔

اور آخری چیز یہ ہے کہ قرآن جس دعوت کو لے کر آیا ہے، اسے پھیلانے اور اس کے نظام کو قائم کرنے کی عملی جدوجہد کی جائے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بہت سچ لکھا ہے کہ:

فہم قرآن کی ان ساری تدبیروں کے باوجود آدمی قرآن کی روح سے پوری طرح آشنا نہیں ہونے پاتا، جب تک کہ عملاً وہ کام نہ کرے، جس کے لئے قرآن آیا ہے۔ یہ محض نظریات اور خیالات کی کتاب نہیں ہے، کہ آپ آرام سے کرسی پر بیٹھ کر اسے پڑھیں اور اس کی ساری باتیں سمجھ جائیں۔ یہ دنیا کے عام تصور مذہب کے مطابق ایک نری

مذہبی کتاب بھی نہیں ہے کہ مدرسے اور خانقاہ میں اس کے سارے رموز حاصل کر لئے جائیں، جیسا کہ اس مقدمہ کے آغاز میں بتایا جا چکا ہے۔ یہ ایک دعوت اور تحریک کی کتاب ہے اس نے آتے ہی ایک خاموش طبع اور نیک نہاد انسان کو گوشہ عزلت سے نکال کر خدا سے پھری ہوئی دنیا کے مقابلے میں لاکھڑا کیا۔ باطل کے خلاف اس سے آواز اٹھوائی اور وقت کے علمبرداران کفر و فسق و ضلالت سے اس کو لڑا دیا۔ گھر گھر سے ایک ایک سعید روح اور پاکیزہ نفس کو کھینچ کھینچ کر لائی اور داعی حق کے جھنڈے تلے ان سب کو اکٹھا کیا۔ گوشے گوشے سے ایک ایک فتنہ جو اور فساد پرور کو بھڑکا کر اٹھایا اور حامیان حق سے ان کی جنگ کرائی۔ ایک فرد واحد کی پکار سے کام شروع کر کے خلافت الہیہ کے قیام تک پورے تیس سال میں یہ کتاب اس عظیم الشان تحریک کی رہنمائی کرتی رہی۔ اور حق و باطل کی اس طویل و جاں گسل کشمکش کے دوران میں ایک ایک منزل اور ایک ایک مرحلے پر اس نے تخریب کے ڈھنگ اور تعمیر کے نقشے بتائے۔

اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ سرے سے نزاع کفر و دین اور معرکہ اسلام و جاہلیت کے میدان میں قدم ہی نہ رکھیں اور اس کشمکش کی منزل کا آپ کو اتفاق ہی نہ ہوا ہو اور پھر محض قرآن کے الفاظ پڑھ پڑھ کر اس کی ساری حقیقتیں آپ کے سامنے بے نقاب ہو جائیں۔ اسے تو پوری طرح آپ اسی وقت سمجھ سکتے ہیں جب اسے لے کر اٹھیں اور دعوت الی اللہ کا کام شروع کریں اور جس جس طرح یہ کتاب ہدایت دیتی جائے، اس طرح قدم اٹھاتے چلے جائیں تب وہ سارے تجربات آپ کو پیش آئیں گے جو نزول قرآن کے وقت پیش آئے تھے۔ مکہ، حبشہ اور طائف کی منزلیں بھی آپ دیکھیں گے اور بدر واحد سے لے کر حنین اور تبوک تک کے مراحل بھی آپ کے سامنے آئیں گے۔ ابو جہل اور ابولہب سے بھی آپ کو واسطہ پڑے گا۔ منافقین اور یہود بھی آپ کو ملیں گے اور سابقین اولین سے لے کر مولفۃ القلوب تک سبھی طرح کے انسانی نمونے آپ دیکھ بھی لیں گے اور برت بھی لیں گے۔ یہ ایک اور ہی قسم کا ”سلوک“ ہے جس کو میں ”سلوک قرآنی“ کہتا ہوں۔ اس

سلوک کی شان یہ ہے کہ اس کی جس جس منزل سے آپ گزرتے جائیں گے، قرآن کی کچھ آیتیں اور سورتیں خود سامنے آ کر آپ کو بتاتی چلی جائیں گی کہ وہ اس منزل میں اتری تھیں اور یہ ہدایت لے کر آئی تھیں۔ اس وقت یہ تو ممکن ہے کہ لغت اور نحو اور معانی اور بیان کے کچھ نکات سالک کی نگاہ سے چھپے رہ جائیں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ قرآن اپنی روح کو اس کے سامنے بے نقاب کرنے سے بخل برت جائے۔

پھر اس کلیہ کے مطابق قرآن کے احکام، اس کی اخلاقی تعلیمات، اس کی معاشی اور تمدنی ہدایات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں اس کے بتائے ہوئے اصول و قوانین، آدمی کی سمجھ میں اس وقت تک آ ہی نہیں سکتے، جب تک وہ ان کو برت کر نہ دیکھے۔ نہ وہ فرد اس کتاب کو سمجھ سکتا ہے جس نے اپنی انفرادی زندگی کو اس کی پیروی سے آزاد رکھا ہو اور نہ وہ قوم اس سے آشنا ہو سکتی ہے، جس کے سارے ہی اجتماعی ادارے اس کی بنائی ہوئی روش کے خلاف چل رہے ہوں۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، مقدمہ، ص ۳۳-۳۴)

یہ ہیں قرآن سے تعلق کی صحیح بنیادیں اور اگر ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا ہو تو پھر قرآن انفرادی زندگی کا نقشہ بھی بدل دیتا ہے اور اجتماعی زندگی کی شکل بھی تبدیل کرا لیتا ہے۔ انفرادی زندگی اس کی برکتوں سے بھر جاتی ہے اور اجتماعی زندگی نیکی اور خوشی کی بہار سے شاد کام ہوتی ہے۔

قرآن پر ایمان اسی وقت مفید اور معنی خیز ہو سکتا ہے، جب ہم قرآن کے پیغام کو سمجھیں اور اس کی دعوت پر لبیک کہیں۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں اور اس کی ہدایت کے ذریعے اپنے معاملات کو طے کرنے کی کوشش کریں۔ آج عالم اسلام جن مسائل اور مصائب سے دوچار ہے، ان سے نکلنے، ترقی اور عزت کی راہ پر پیش قدمی کرنے کا راستہ صرف یہی ہے اور صادق برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی تلقین کی تھی:

رسول اللہ: خبردار عنقریب ایک بڑا فتنہ سراٹھائے گا۔

حضرت علیؓ: اس سے نجات کیا چیز دلائے گی، یا رسول اللہ!